مستشرقین کے حدیثی نظریات کا تجزیاتی مطالعہ

(''ضیاء النبی'' از پیر محمد کرم شاہ الازھریؒ کے تناظر میں)

*ڈاکٹر محمد ریاض محمود

**ڈاکٹر محمد اکرم وِرک

Abstract

One of the main objectives of scholarly research done by the orientalists is to attack the personality of Prophet of Islam (P.B.U.H). The purpose of these attacks is to erase the deep love for Hazrat Muhammad (P.B.U.H) from the hearts of the Muslims. So, the orientslists have vehemently criticised Hadith, tha sayings of the Prophet. This thing put Muslim scholars in resentment. As a result Muslim scholars performed their duties to defend the personality of the prophet, especially to defend Hadith. Various scholarly personalities played their role in different eras in this field. In this context, the services and writings of Pir Muhammad Karam Shah Al-Azhari is worth mentioning. He took overview of the criticism by the orientalists in his book "Zia-ul-Nabi". The following article is an appreciation of this scholarly effort of Pir Muhammad Karam Shah Al-Azhari.

سترھویں، اٹھارویں اور کسی حد تک انیسویں صدی کے آغاز میں مستشرقین کی جو کتابیں منصۂ شہود پر آئیں ان میں بیشتر حملے رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی پر کئے گئے ۔اس مہم کے قافلہ سالار مشہور مستشرق سر ولیم میور (م ۱۹۰۵ء) (Sir william Muir) ہیں جنھوں نے چار جلدوں پر مشتمل اپنی کتاب The Life of Muhammad میں رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی کو ہدفِ تنقید بنایا، یہ کتاب بڑی تہلکہ خیز ثابت ہوئی، جس نے مسلمان اہلِ علم کو شدید اضطراب میں مبتلاء کردیا۔ سر سید احمد خانؒ (م ۱۸۹۸ء) اوّلین شخص تھے جنھوں نے ۱۸۷۰ء میں ''خطباتِ احمدیہ'' میں مستشرق مذکور

*شعبہ اسلامیات، گورنمنٹ پوسٹ گرایجویٹ کالج، سیٹلائیٹ ٹاؤن، گوجرانوالہ

**شعبہ اسلامیات، گورنمنٹ پوسٹ گرایجویٹ کالج، سیٹلائیٹ ٹاؤن، گوجرانوالہ

کے اعتراضات کا علمی اسلوب میں جواب دیا۔ سر سید نے اس کتاب کو محبتِ رسول ﷺ کے جس جذبے سے سرشار ہوکر مرتب کیا اور اس کی تکمیل کے لئے انگلستان کے سفر سمیت جو صعوبتیں برداشت کیں وہ ان کے عشقِ رسول ﷺ اور ایمانی حرارت کا بین ثبوت ہے۔(1) علامہ شبلی نعمانیؒ (م ۱۹۱۴ء) کی قابلِ قدر تصنیف ''سیرۃ النبی ﷺ'' بھی دراصل سیرت پر مستشرقین کے اعتراضات کا ردِعمل ہی ہے۔ عالمِ اسلام کے دیگر حصوں میں بھی مسلمان اہلِ علم نے مستشرقین کا علمی تعاقب کیا۔ اس دور میں مستشرقین کی یہ حکمتِ عملی نظر آتی ہے کہ محمد ﷺ کی ذات چونکہ اسلام کا مرکز ومحور ہے اس لئے کسی طرح اہلِ اسلام کے دلوں میں رسولِ خدا ﷺ کی والہانہ محبت، جو دراصل اسلام کی روح ہے، کو ختم کیا جائے۔ بہت جلد مستشرقین کو اس بات کا احساس ہوگیا کہ محمد ﷺ کی سیرت پر ان کے یہ الزامات اتنے کمزور اور بودے ہیں کہ علمی دیانت کا خوگر کوئی بھی منصف مزاج انسان ان الزامات کو قبول نہیں کرسکتا۔ دوسری طرف مسلمان اہلِ علم نے سیرت پر مستشرقین کے اعتراضات کی سطحیت کو دلائل وبراہین کے ترازو میں رکھ کر ان کی علمی بددیانتی کو مبرہن کرکے رکھ دیا۔ نتیجے کے طور پر مستشرقین میں سے ہی کئی معتدل مزاج اہلِ علم نے اپنے بھائی بندوں کے اس نوعیت کے اعتراضات پر افسوس کا اظہار کیا، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعد کے دور میں مستشرقین نے اپنی تحریروں میں محمد ﷺ کا ذکر نسبتاً احترام کے ساتھ کیا ہے۔(2) سیرت کے محاذ پر مستشرقین کو منہ کی کھانی پڑی۔ البتہ یہ ان مستشرقین کی پہلی ناکام کاوش نہیں تھی۔ اس سے پہلے انھوں نے اپنی نام نہاد تحقیق کا رُخ قرآن مجید کی طرف بھی موڑا تھا اور ان لوگوں نے ان تمام اعتراضات کو قرآن پر لوٹانے کی کوشش کی جو عام طور پر بائیبل پر کئے جاتے ہیں۔ اس مہم کا آغاز ۱۷۳۶ء میں جارج سیل (Gorge Sale) نے "The Koran" سے کیا اور معروف آسٹریلوی مستشرق آرتھر جیفری (Arthur Jeffery) نے اس تحریک کو نقطۂ عروج تک پہنچایا۔ موصوف نے اپنی تین کتابوں "The Koran: selected Suras"، اور "Islam, Muhammad and his Religion" نیز قرآنیات پر اپنی مشہور کتاب "Materials for the history of the Text of the Quran" میں قرآن کے متن کے غیر محفوظ ہونے کے اعتراضات اٹھائے، لیکن مستشرقین کی یہ مہم بھی بہت جلد کمزور ہوگئی۔ صرف چالیس پچاس سال کی محنت کے بعد ہی مستشرقین کو اندازہ ہوگیا کہ قرآن اتنی مضبوط بنیادوں پر کھڑا ہے کہ اس کو محض الزامات سے ہلانا ممکن نہیں۔(3) اب ایک اور مہم شروع ہوئی اور ان لوگوں نے اپنا رخ حدیثِ رسول ﷺ کی طرف کرلیا ، لیکن اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں ہے کہ مستشرقین نے سیرت اور قرآن پر اعتراضات سے کلی طور پر صرفِ نظر کرلیا ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اب بھی سیرت اور قرآن پر اعتراضات کرتے ہیں لیکن ان میں اب وہ پہلے جیسی شدت نہیں ہے ۔ حالات کے جبر نے مستشرقین کو مجبور کیا کہ وہ اسلام کے خلاف کسی اور محاذ پر نئی صف بندی کریں چنانچہ انھوں نے قرآن

کے بعد اسلام کے دوسرے بنیادی ماٗخذ حدیثِ رسول ﷺ کو تختۂ مشق بنانے کا فیصلہ کیا۔

ڈاکٹر اسپرنگر (Sprenger) نے تین جلدوں میں سیرت پر کتاب لکھی تو اس میں حدیث کی روایت اور اس کی حیثیت پر بھی تنقید کی۔ سر ولیم میور نے سیرت پر اپنی کتاب میں حدیث پر اس بحث کو مزید آگے بڑھایا، لیکن حدیث پر جس شخص نے سب سے پہلے تفصیلی بحث کی، وہ مشہور جرمن مستشرق گولڈ زیہر (م ۱۹۲۱ء)(Gold zhiher) ہے۔ اس نے اپنی کتاب "Muslim Studies" کی دوسری جلد میں علمِ حدیث پر تجزیاتی انداز میں تنقید کی ہے۔ بعد کے دور میں تمام مستشرقین نے گولڈ زیہر ہی کے اصولوں کا اتباع کیا ہے۔ پروفیسر الفرڈ گیوم (Alfred Guillaume) نے اپنی کتاب "Islam" اور "Traditions of Islam" میں گولڈ زیہر کی تحقیق کو آگے بڑھایا ہے۔ جوزف شاخت (Josefh Schacht) نے اپنی کتاب "The Origins of Muhammadan Jurisprudence" میں گولڈ زیہر کے اصولوں کی روشنی میں اسلامی قانون کے مصادر و منابع کا تجزیہ کیا ہے اور حدیث کے ظہور اور ارتقا پر بحث کرتے ہوئے حدیث کی نبویؐ حیثیت کو مشکوک قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ مارگولیتھ (م ۱۹۴۰ء) (Margoliouth)، رابسن (Robson)، گب (1965ء)(Gibb)، ول ڈیورانٹ (1981)(Will Deurant)، آرتھر جیفری (Arthur Jaffery)، منٹگمری واٹ (1979ء)(MontgomeryWatt)، ہوروفیتش (Worowitz)، وان کریمر (Von Kremer)، کیتانی (Catani)، اور نکلسن (Nicholsen) وغیرہ نے بھی اپنے حدیث مخالف نظریات پیش کئے۔

عصر حاضر میں مستشرقین نے اسلام کے خلاف ایک اور محاذ کھول رکھا ہے اور ان کی کوشش ہے کہ کسی طرح اسلامی تعلیمات کو غیر عقلی اور غیر فطری ثابت کیا جائے اور یہ باور کروایا جائے کہ اسلامی احکامات بنیادی انسانی حقوق سے متصادم اور عصری تقاضوں سے ہم آہنگ نہ ہونے کی وجہ سے نا قابلِ عمل ہیں۔ اس وقت یہ محاذ مسلمان اہلِ علم کی فوری توجہ کا متقاضی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے (م ۱۷۶۴ء) ''حجة الله البالغة'' میں جس طرح مقاصدِ شریعت کو واضح کرتے ہوئے اسلامی تعلیمات کو انسانی عقل و دانش کا تقاضا قرار دیا ہے، ضرورت اس امر کی ہے کہ آج کی زبان اور محاورے میں دین کی تعبیر و تشریح کے اس اسلوب کو جدید علمِ کلام کی روشنی میں بیان کیا جائے۔ فی الوقت یہ موضوع ہمارے پیشِ نظر نہیں ہے، اس لئے ان سطور میں ہم اپنی گفتگو کو علمِ حدیث تک ہی محدود رکھیں گے۔

مستشرقین میں سے علمِ حدیث پر بنیادی کام گولڈ زیہر اور شاخت ہی کا ہے، یہ دونوں یہودی ہیں اور ان کا تعلق جرمن سے ہے۔ جن دیگر مستشرقین نے حدیث نبوی ﷺ کو اپنی تحقیقات کا موضوع بنایا ہے انھوں نے اسلامی مصادر سے براہِ راست استفادہ کرنے کی بجائے زیادہ تر گولڈ زیہر اور شاخت کی تحقیقات کو ہی اپنے خیالات کی بنیاد بنایا ہے۔

آزادانہ تحقیق کے دعوے دار مغربی اہلِ علم کے اس اسلوبِ تحقیق پر جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازھریؒ (۱۹۱۸ء۔۱۹۹۸ء) تعجب کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حیرت کی بات ہے کہ اصولِ حدیث اور تاریخ حدیث پر مسلمانوں کی بے شمار کتابیں دنیا کی لائبریریوں میں موجود ہیں۔ حدیث طیبہ کے بارے مسلمانوں کا جو موقف ابتدا سے رہا ہے وہ ہر دور کی تصانیف میں درج ہے، لیکن مستشرق محققین نہ تو مسلمانوں کے موقف کی طرف اپنی توجہ مبذول کرتے ہیں اور نہ ہی حدیث کے متعلق مسلمانوں کے چودہ سو سالہ ادب کو کوئی اہمیت دیتے ہیں، بلکہ ان پر جب حدیث کے متعلق تحقیق کا بھوت سوار ہوتا ہے تو گولڈ زیہر اور اس کے نقالوں کی تصانیف کو ہی قابلِ اعتماد مصادر قرار دیتے ہیں۔'' (4)

حضرت پیر محمد کرم شاہ الازھریؒ نے علمِ حدیث کے دِفاع پر اپنی مستقل کتاب ''سنّتِ خیر الانامﷺ'' میں مستشرقین اور منکرینِ حدیث کے اہم اعتراضات کا جائزہ پیش کیا ہے، تاہم فاضل مصنفؒ نے موقع کی مناسبت سے سیرت پر اپنی کتاب ''ضیاء النبیﷺ'' میں بھی علم حدیث پر مستشرقین کے اعتراضات کا جائزہ لیا ہے۔ پیر صاحبؒ کی اس قابلِ قدر تصنیف کی یہ ایک نمایاں خصوصیت ہے کہ اس کی پہلی پانچ جلدوں میں سیرت کے عمومی بیان کے بعد چھٹی اور ساتویں، آخری دو جلدوں میں اسلام کے بنیادی مأخذ، سیرت رسولِ عربیﷺ، قرآن حکیم اور حدیثِ رسولﷺ پر مستشرقین کے بنیادی اعتراضات کا خالص علمی اسلوب میں تجزیہ کیا گیا ہے۔ سیرت کے موضوع پر لکھی گئی کتابوں میں ''ضیاء النبیﷺ'' کا یہ خاص امتیاز ہے، کہ اس میں قرآن وحدیث کو شعوری طور پر سیرت ہی کا لازمی حصہ سمجھتے ہوئے موضوعِ بحث بنایا گیا ہے۔ اس کتاب کی یہ خصوصیت بذاتِ خود اس حقیقت کی غماز ہے کہ فاضل مصنفؒ کی نظر میں قرآن مجید درحقیقت رسولِ خداﷺ کی سیرت کا بیان اور حدیث وسنّت اس کی عملی تشریح وتعبیر ہے، اس لئے ان کی نظر میں مستشرقین کا قرآن وسنّت کو تنقید کا نشانہ بنانا براہِ راست سیرت پر تنقید ہی کے مترادف ہے۔ مستشرقین نے حدیثِ رسولﷺ کو من گھڑت اور جعلی قرار دینے میں جو سخت مشقتیں اٹھائی ہیں پیر صاحبؒ اس کی اصل وجہ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''قرآن حکیم کی مخالفت کرتے ہوئے مستشرقین کو یہ مشکل پیش آئی کہ وہ قرآن حکیم کی من مانی تشریح نہیں کر سکتے تھے کیونکہ قرآن حکیم کی وہ تشریح جو حضورﷺ نے خود کی تھی، وہ احادیث طیبہ کی شکل میں مسلمانوں کے پاس موجود تھی۔ تاریخ کے کسی دور میں جب کسی قسمت آزمانے قرآن حکیم کو اپنی مرضی

کے معانی پہنانے کی کوشش کی تو ملتِ اسلامیہ کے علمائے ربانیین نے احادیثِ طیبہ کی مدد سے ان کا منہ توڑ جواب دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن حکیم کی معنوی تحریف کی کوششیں ہمیشہ احادیثِ طیبہ کی مضبوط چٹان کے ساتھ ٹکرا کر پاش پاش ہوئیں۔'' (5) ''مستشرقین جب قرآن حکیم کو حضورﷺ کا کلام کہتے تھے، تو وہ مجبور تھے کہ احادیث طیبہ کے متعلق کوئی اور مفروضہ تراشیں۔ یہ بات انھیں مناسب معلوم نہ ہوتی تھی کہ قرآن حکیم اور احادیث طیبہ دونوں کو حضورﷺ کا کلام قرار دیں۔ مستشرقین کے تخیل کی پرواز ویسے ہی بہت بلند ہوتی ہے اس لئے انھوں نے احادیث طیبہ کے مصادر تلاش کرنے کے لئے بھی اپنے تخیل کے گھوڑے دوڑائے اور ایک نہیں بلکہ احادیث طیبہ کے کئی مصادر تلاش کر لئے۔'' (6)

علمِ حدیث پر مستشرقین کے بنیادی اعتراضات

مستشرقین نے علمِ حدیث پر جو بنیادی اعتراضات کئے ہیں، سب سے پہلے تو ہم اپنے قارئین کی خدمت میں ان کا خلاصہ پیش کریں گے اور پھر جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازھریؒ کے افکار کی روشنی میں ان اعتراضات کا جائزہ لیں گے۔

(۱) مستشرقین نے حدیث کے بارے میں یہ غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ دورِ اوّل کے مسلمان حدیث کو حجت نہیں سمجھتے تھے، مسلمانوں میں یہ خیال بعد کے دور میں پیدا ہوا۔ (7) جوزف شاخت نے لکھا ہے کہ امام شافعیؒ (م ۲۰۴ھ) سے دو پشت پہلے احادیث کی موجودگی کا کوئی اشارہ ملتا ہے تو یہ شاذ اور استثنائی واقعہ ہے۔ (8) آرتھر جیفری (Arthur Jeffery) کہتا ہے کہ پیغمبرؐ کے انتقال کے بعد ان کے پیروکاروں کی بڑھتی ہوئی جماعت نے محسوس کیا کہ مذہبی اور معاشرتی زندگی میں بے شمار ایسے مسائل ہیں جن کے متعلق قرآن میں کوئی راہنمائی موجود نہیں ہے، لہٰذا ایسے مسائل کے حل کے لئے احادیث کی تلاش شروع کی گئی۔ (9)

(۲) محدثین کے ہاں اسناد کی جو اہمیت ہے وہ دلائل کی محتاج نہیں ہے حتی کہ انھوں نے اسناد کو دین قرار دیا۔ مستشرقین چونکہ اسناد کی اہمیت سے پوری طرح آگاہ ہیں اس لئے انھوں نے اسناد کے من گھڑت ہونے کا اعتراض کر کے احادیث کو ناقابلِ اعتبار قرار دینے کی کوشش کی ہے۔ اور دعویٰ کیا کہ اُس دور میں لوگ مختلف اقوال اور افعال کو محمدؐ کی طرف منسوب کر دیا کرتے تھے۔ کتانی (Caetani)(10) اور اسپرنگر (Springer)(11) ان مستشرقین میں شامل ہیں جن کے نزدیک اسناد کا آغاز دوسری صدی کے آواخر یا تیسری صدی کے شروع میں ہوا۔ گولڈ زیہر (Gold ziher) موطاً امام مالکؒ پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ امام مالکؒ (م ۱۷۹ھ) نے اسناد کی تفصیل بیان کرنے کے لئے کوئی مخصوص طریقہ اختیار نہیں کیا بلکہ اکثر و بیشتر وہ عدالتی فیصلوں کے لئے ایسی احادیث بیان کرتے ہیں جن کا سلسلہ اسناد صحابہ تک

ملا ہوا نہیں اور اس میں متعدد خامیاں ہیں۔(12) جبکہ جوزف شاخت (Josefh Schacht) کا کہنا ہے کہ اس مفروضے کو قائم کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ اسناد کے باقاعدہ استعمال کا رواج دوسری صدی ہجری سے قبل ہو چکا تھا۔(13) منٹگمری واٹ (Montgomery Watt) نے اسناد کے مکمل بیان کو امام شافعیؒ (م۲۰۴ھ) کی تعلیمات کا نتیجہ قرار دیا ہے۔(14)

(۳) مستشرقین نے قرآن مجید کی طرح احادیث پر بھی یہ اعتراض کیا ہے کہ بہت ساری روایات یہود و نصاریٰ کی کتب سے متأثر ہو کر گھڑی گئی ہیں۔ وہ احادیث جن میں حضورﷺ کی کسی معجزانہ شان کا ذکر ہے، ان پر تبصرہ کرتے ہوئے ول ڈیورانٹ (م ۱۹۸۱ء)(Will Durant) کہتا ہے کہ بہت ساری احادیث نے مذہبِ اسلام کو ایک نیا رنگ دے دیا ہے۔ محمدﷺ نے یہ دعویٰ نہیں کیا تھا کہ ان کے پاس معجزات دکھانے کی قوت ہے، لیکن سینکڑوں حدیثیں ان کے معجزانہ کارناموں کا پتہ دیتی ہیں جس سے واضح طور پر محسوس ہوتا ہے کہ اکثر احادیث عیسائی تعلیمات کے زیرِ اثر تشکیل پذیر ہوئیں۔(15) اس قسم کا دعویٰ کرنے والوں میں فلپ۔ کے۔ ہٹی (Philip.K.Hitti) بھی قابلِ ذکر ہے۔(16)

(۴) مستشرقین کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ چونکہ محمدﷺ نے حدیث کی کتابت سے منع کر دیا تھا اس لئے دورِ اوّل کے علماء نے علمِ حدیث کی حفاظت میں سستی اور لاپرواہی سے کام لیا، جس کے نتیجہ میں احادیث یا تو ضائع ہو گئیں یا پھر ان میں اس طرح کا اشتباہ پیدا ہو گیا ہے، کہ پورے یقین کے ساتھ کہنا کہ یہ محمدﷺ کا فرمان ہے، ممکن نہیں ہے۔ مستشرق الفرڈ گیوم (Alfred Guillaume) لکھتا ہے کہ یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ حدیث کے بعض مجموعے اموی دور کے بعد جا کر مدون ہوئے۔(17) مشہور مستشرق میکڈونلڈ (Macdonold) لکھتا ہے کہ بعض محدّثین کا صرف زبانی حفظ پر اعتماد کرنا اور اُن لوگوں کو بدعتی قرار دینا جو کتابتِ حدیث کے قائل تھے، یہ طرزِ عمل بالآخر سنّت کے ضائع ہونے کا سبب بنا۔(18)

مستشرقین نے ایک خاص حکمتِ عملی کے تحت ان عظیم شخصیات کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے جو حدیث وسنّت کی جمع و تدوین اور حفاظت میں بنیادی پتھر کی حیثیت رکھتی ہیں۔ مستشرقین نے اس مقصد کے لئے جن شخصیات کو خاص طور اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے ان میں ایک تو مشہور صحابی حضرت ابو ہریرہؓ (م ۵۹ھ) اور دوسرے نامور تابعی امام ابنِ شہاب زہریؒ (م ۱۲۴ھ) ہیں۔ گولڈ زیہر (Gold Ziher)(م ۱۹۲۱ء) نے حضرت ابو ہریرہؓ پر وضعِ حدیث کا الزام عائد کیا ہے اور محدّث امام ابنِ شہاب زہریؒ پر اِتّہام باندھا ہے کہ وہ بنو اُمیّہ کے دینی اور سیاسی مقاصد کو پورا کرنے کے لئے احادیث وضع کیا کرتے تھے۔(19) جوزف شاخت (Josefh Schacht) امام اوزاعیؒ (م ۱۵۷ھ) پر وضعِ حدیث کا

الزام عائد کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ان کے زمانے میں مسلمانوں میں جو بھی عمل جاری تھا اس کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر دینے کا رجحان تھا تا کہ اس کو نبی ﷺ کی تصویب حاصل ہو جائے خواہ احادیث اس عمل کی تائید کرتی ہوں یا نہ کرتی ہوں۔ امام اوزاعیؒ کا یہی عمل تھا اس رجحان میں عراقی فقہاء امام اوزاعیؒ کے ساتھ شریک تھے۔ (20)

اعتراضات کا تنقیدی جائزہ

علمِ حدیث کے بارے مستشرقین کے ان گمراہ کن نظریات کی ایک وجہ تو ان کی ہٹ دھرمی اور اسلام سے عدوات کو قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ مستشرقین کا طریقۂ واردات ہی یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو ان کے اہداف کے حصول میں رکاوٹ بنتی ہے اگر اس کو کلی طور پر رد کرنا ممکن نہ ہو تو کم از کم اس میں اشتباہ ضرور پیدا کر دیا جائے۔ علمِ حدیث کے بارے میں یہ لوگ اپنے مقصد میں کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں اس کا اندازہ ہر وہ شخص آسانی سے کر سکتا ہے جو عالمِ اسلام میں برپا ہونے والے ''فتنۂ انکارِ حدیث'' سے واقفیت رکھتا ہے۔ اہلِ علم سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ فتنۂ انکارِ حدیث کی تحریک کا فکری سرچشمہ مستشرقین کے افکار و نظریات ہی ہیں۔ مستشرقین کے حدیث مخالف نظریات کی دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ چونکہ زیادہ تر مستشرقین نے حقائق کی جستجو میں اسلام کے اصل مصادر و مراجع کی طرف رجوع کرنے کی بجائے ثانوی ماٰخذ پر ہی اکتفاء کیا ہے، اس لئے حقیقت ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئی ہے۔ بد قسمتی سے حدیث پر تحقیق کرتے ہوئے مستشرقین کے ہاں گولڈ زیہر کو ''امام معصوم'' کا درجہ حاصل ہے اور اس کی تحقیقاتِ حدیث ہر طرح کی تنقید سے بالاتر سمجھی جاتی ہیں، چونکہ دیگر مستشرقین گولڈ زیہر کے قائم کردہ معیارات اور اصولوں کی روشنی میں ہی حدیث کا مطالعہ کرتے ہیں اس لئے منطقی طور پر اس اندازِ فکر نے مستشرقین کو ایک بنیادی غلطی میں مبتلا کر دیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ گولڈ زیہر نے جہاں جہاں غلطیاں کی ہیں دیگر مستشرقین بھی اس کے اصولوں کی پیروی میں اس جیسی غلطیوں ہی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ مابعد دور کے مستشرقین پر گولڈ زیہر کی تحقیقاتِ حدیث کے اثرات کا تجزیہ کرتے ہوئے ڈاکٹر فواد سیزگین لکھتے ہیں:

> ''گولڈ زیہر نے اپنے خیالات کا اظہار اپنی کتاب ''دراساتِ محمدیہ'' میں کیا جو 1890ء میں جرمن زبان میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کے شائع ہونے کے بعد حدیث پر تحقیق کے لئے یہ کتاب اہلِ مغرب کے لئے بنیادی دستاویز بن گئی۔ بیشتر مستشرقین اس کتاب کے حوالے سے اپنے نتائج فکر پیش کرتے رہے۔ پروفیسر شاخت (J.Schacht) نے فقہی احکام سے متعلق احادیث پر کام کیا، گلیوم (A.Guillaume) کی ''ٹریڈیشنز آف اسلام'' وجود میں آئی، جو گولڈ زیہر کی تحقیقات کا چربہ تھی۔ مار

گولیتھ (Margoliouth) نے گولڈ زیہر کے افکار کی روشنی میں اپنے نظریات پیش کئے۔علاوہ ازیں ھوروفتش (J.Horowitz) ھورست (H.Hosrt)،فون کریمر (A.Von.Kremer)، مویر (W.Wuir) ، کتانی(L.Caetani)، اور نکلسن (A.R.Nicholoson)، وغیرہ نے بھی اس میدان میں اپنے اپنے نتائج فکر بیان کئے ہیں، جوسارے کے سارے کم وبیش گولڈ زیہر ہی کے افکار کی صدائے بازگشت ہیں‘‘(21)

مستشرقین کا یہ الزام کہ مسلمانوں میں حدیث کی اہمیت اور اس کی حجیت کا تصور بعد کے دور کی پیداوار ہے، انتہائی خطرناک ہے۔اس الزام کوتسلیم کرنے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اسلام کواس کے اصل تشخص ہی سے محروم کر دیا جائے ۔پیر صاحب ؒمستشرقین کے اس الزام پر تنقید کرتے ہوئےلکھتے ہیں:

’’اگر احادیث طیبہ کی اہمیت اور حجیت کا ثبوت صرف احادیث طیبہ اور تاریخ اسلام کی مدد سے پیش کرنا پڑتا تو مستشرقین اپنے مزعومات کے مطابق اسے بڑی آسانی سے رد کر سکتے تھے،لیکن اللہ تعالیٰ ”بکل شیء علیم“ ہے۔وہ اسلام کے خلاف اٹھنے والے ان سب فتنوں کو جانتا تھا،اس لئے اس نے احادیث طیبہ کی اہمیت اور حجیت کو قرآن حکیم کے ذریعے بیان کر دیا۔قرآن حکیم کی بے شمار آیتیں احادیث طیبہ کی اہمیت کو ثابت کر رہی ہیں۔مستشرقین کی ایک معقول تعداد اب یہ تسلیم کرتی ہے کہ آج مسلمانوں کے ہاتھوں میں جو قرآن ہے، یہ بعینہ وہ ہے جو حضور ﷺ نے اپنی امت کے سامنے پیش کیا تھا۔اس لئے وہ قرآن حکیم کی کسی آیت کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ بعد کے مسلمانوں نے خود گھڑی ہے۔جب قرآن حکیم کی بے شمار آیات کریمہ احادیث طیبہ اور سنت رسول ﷺ کی اہمیت کو بیان کر رہی ہیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ دورِ رسالت ﷺ کے مسلمانوں نے احادیثِ طیبہ کو کوئی اہمیت نہ دی ہو اور صدی، ڈیڑھ صدی بعد مسلمانوں کو مجبوراً احادیث کی طرف متوجہ ہونا پڑا ہو؟‘‘(22)

محترم پیر صاحب ؒ کے استدلال کی بنیاد وہ تمام آیات ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور اتباع کا حکم ہے کہ جب مستشرقین کی ایک معقول تعداد بھی یہ تسلیم کرتی ہے کہ قرآن مجید اپنی اصل شکل میں محفوظ ہے،تو یہ کیسے ممکن ہے کہ مسلمانوں نے ان آیات کو کوئی اہمیت ہی نہ دی ہو جن میں رسول خدا ﷺ کی اتباع کو جزوِ ایمان قرار دیا گیا ہے۔کئی صفحات پر پھیلی ہوئی اس بحث میں پیر صاحب ؒ نے متعدد آیات سے استدلال کیا ہے اور پوری بحث کو سمیٹتے ہوئے مستشرقین کے سامنے جو بنیادی سوالات رکھے ہیں ان سے صرفِ نظر کرنا مستشرقین کے لئے آسان نہیں ہے۔آپ ؒ فرماتے ہیں:

''کیا قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کو ان تمام آیاتِ قرآنی کا علم نہ تھا جن میں حضورﷺ کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے؟ کیا ان مسلمانوں کو قرآن حکیم کو سمجھنے اور اس کے احکام پر منشائے خداوندی کے مطابق عمل کرنے کے لئے حضورﷺ کی راہنمائی کی کبھی ضرورت محسوس نہیں ہوئی تھی؟ کیا انہیں یہ معلوم نہ ہو سکا تھا کہ ان کا نبی صرف مبلغ کتاب ہی نہیں بلکہ معلم کتاب وحکمت بھی ہے؟ وہ چیزیں جن کی حرمت کا فیصلہ قرآن حکیم نے نہیں بلکہ حضورﷺ نے کیا تھا، کیا قرونِ اولیٰ کے مسلمان ان چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے تھے؟۔ بڑی عجیب بات ہے کہ مستشرقین اور ان کے ہمنوا دیگر اہلِ مغرب چودہویں صدی کے مسلمانوں کو تو بنیاد پرست سمجھتے ہیں اور قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے متعلق سمجھتے ہیں کہ قرآن حکیم کی بے شمار آیات جو اطاعتِ رسولﷺ کا حکم دے رہی تھیں، ان آیات کی طرف ان کی توجہ ہی نہ تھی۔ اگر یہ سچ ہے کہ ہر زمانے کے مسلمان حضورﷺ کی اطاعت کو فرض سمجھتے تھے، قرآن حکیم کے اسرار ورموز کو سمجھنے کے لئے حضورﷺ کی راہنمائی کو ضروری سمجھتے تھے، وہ احکامِ قرآنی پر حضورﷺ کے عملی نمونے کی روشنی پر عمل کرتے تھے، وہ حضورﷺ کو معلم کتاب وحکمت اور مزکی قلوب سمجھتے تھے، تو پھر یہ بھی سچ ہے کہ وہ جس طرح قرآن حکیم کو دین کا اول مصدر سمجھتے تھے، اسی طرح وہ سنتِ رسولﷺ اور احادیثِ طیبہ کو دین کا مصدرِ ثانی سمجھتے تھے۔'' (23)

قرآن مجید کے کتنے ہی احکامات ایسے ہیں جن پر اس وقت تک عمل ممکن ہی نہیں جب تک حدیث وسنّت کو ساتھ نہ ملایا جائے۔ مثلاً: نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج جیسی بنیادی عبادات پر اس وقت تک عمل نہیں کیا جا سکتا جب تک سنّتِ رسولﷺ کو ہادی اور راہنمانہ بنایا جائے۔ فاضل مصنفؒ نے لفظ ''حکمت'' کو خصوصی طور پر اپنی توجہ سے نوازا ہے اور پختہ دلائل سے ثابت کیا ہے کہ حکمت سے مراد حدیث وسنّت ہے اور وہ بھی قرآن حکیم کی طرح منزل من اللہ ہے۔ (24)

محترم پیر صاحبؒ مستشرقین پر طنز کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان لوگوں نے وضع حدیث کے جس فتنے کا ذکر کیا ہے یہ کوئی ایسا ''انکشاف'' نہیں ہے جس سے مسلمان آگاہ نہیں تھے اور محض مستشرقین ہی ہیں جنھوں اپنی تحقیقات سے یہ پتہ چلایا ہے کہ دورِ اوّل میں احادیث وضع کی گئی تھیں۔ بلکہ حفاظتِ حدیث کے پورے نظام پر نظر رکھنے والا کوئی بھی شخص باور کر سکتا ہے کہ محض یہ کہہ دینے سے کہ یہ اللہ کے رسولﷺ کا فرمان ہے لوگ مطمئن نہیں ہو جاتے تھے بلکہ خبر کی پوری تحقیق کے بعد ہی اسے کو قبول کیا جاتا تھا۔ ایک ایسا معاشرہ جہاں یہود ونصاریٰ اور منافقین اہلِ ایمان کے خلاف مسلسل برسرِ پیکار تھے، مسلمانوں کے لئے ضروری تھا کہ کسی بھی خبر کو قبول کرنے سے پہلے خبر لانے والے کے کردار اور

عمومی طرزِ عمل کو بھی پیش نظر رکھیں۔اس لئے ایک ایسا معاشرہ جس کے افراد کی تربیت روایت اور درایت کے لازوال اصولوں کی روشنی میں ہوئی ہوان میں موضوع روایات کا رواج پذیر ہونا کسی بھی صورت ممکن نہ تھا۔پیر صاحبؒ وضعِ حدیث کے فتنے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس بات سے انکار نہیں کہ دشمنانِ اسلام نے سنتِ رسول ﷺ کے چشمۂ صافی کو گدلا کرنے کی کوشش کی اور انہوں نے ایسی باتوں کو حضور ﷺ کی طرف منسوب کرنے کی کوشش بھی کی جو آپ ﷺ نے نہ فرمائی تھیں، لیکن صورتِ حال یہ نہ تھی کہ ایسے کم بختوں کی مذموم کارروائیوں کو کسی نے روکا نہ ہو۔حدیث گھڑنے والے گھڑتے رہے، لیکن وہ لوگ جن کی نظریں قرآن حکیم کی ان آیات پر تھیں جو کسی خبر پر یقین کرنے سے پہلے تحقیق کرنے کا سبق دیتی ہیں یا جو افتراء علی اللہ کو ظلم عظیم قرار دیتی ہیں اور جن لوگوں کی نظریں حضور ﷺ کی اس حدیث پاک پر تھیں جو جھوٹی حدیث گھڑنے والوں کو دوزخ کا ٹھکانا دکھا رہی ہے، ایسے لوگوں نے کبھی ان لوگوں کو کھل کھیلنے کا موقعہ نہیں دیا جو احادیث طیبہ کے چشمۂ صافی کو گدلا کرنا چاہتے تھے۔قرآن حکیم نے انہیں فاسق کی خبر کے متعلق محتاط رہنے کا حکم دیا تھا۔''(25)

اسماء الرجال جیسے فن کی ایجاد کا سہرا مسلمانوں کے سر ہے جس میں دنیا کی کوئی قوم ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کرسکتی،اس علم کی بدولت محدثین نے لاکھوں انسانوں کی زندگیوں کے شب و روز، ان کے اخلاق و کردار اور ان کے اندازِ زیست کا ریکارڈ جمع کر دیا اور ہر خبر کے راویوں کے سلسلے کا کھوج لگایا تا کہ یہ پتہ چلایا جاسکے کہ کسی حدیث کے سلسلۂ سند میں کسی فاسق و فاجر اور کذاب کا نام تو نہیں آتا۔محدثین کی ان عظیم الشان کوششوں کا اعتراف مستشرقین نے بھی کیا ہے۔ڈاکٹر اسپرنگر (Springer) لکھتے ہیں:

"The glory of the literature of the Mohammadans is its literary biography. There is no nation nor has there been any which like them has during the 12 centuries recorded the life of every man of letters. If the biographical records of the musalmans are collected, we should probably have accounts of the lives of half a million of distinguished persons, and it would be found that there is not a decennium of their history, nor a place of importance which has not its representatives"(26)

''مسلمانوں کے علمی ذخیرے کی شان ان کے سوانحی ادب میں نمایاں ہوتی ہے۔(دنیا میں) ایسی کوئی

قوم نہ تھی نہ ہے جس نے مسلمانوں کی طرح بارہ صدیوں میں علم وادب سے تعلق رکھنے والے ہر آدمی کے حالات زندگی محفوظ کیے ہوں۔ اگر مسلمانوں کے سوانحی ذخیرے کو جمع کیا جائے تو ہمیں کم وبیش پانچ لاکھ ممتاز افراد کے حالات زندگی میسر ہوں گے اور یہ حقیقت سامنے آئے گی کہ ان کی تاریخ کا کوئی عشرہ یا کوئی اہم مقام نہیں جس کی نمائندگی کرنے والے لوگ (اس ذخیرے میں) نہ پائے جاتے ہوں۔''

مشکوٰۃ المصابیح کا مترجم رابنسن (Robson) کہتا ہے:

" In the gospels as they stand we don't have the various elements of the sources separated out for us as we do through the "Island" of muslim traditions where at least apparently, , the transmission is traced back to rhe source"(27)

''اناجیل میں، جیسا کہ وہ ہمارے پاس موجود ہیں، ہمیں یہ شکل دکھائی نہیں دیتی کہ مختلف مآخذ سے لی جانے والی معلومات الگ الگ ہمارے سامنے پیش کی گئی ہوں، جیسا کہ ہمیں مسلمانوں کی روایات میں یہ چیز دکھائی دیتی ہے جہاں کم ازکم ظاہری طور پر روایات کی کڑی ان کے اصل ماخذ کے ساتھ ملائی جاتی ہے۔''

لہٰذا روایت اور درایت کے ان سنہری اصولوں کی موجودگی میں، جس کا اعتراف مستشرقین کو بھی ہے، کسی جعلی روایت کا لوگوں میں قبولیت حاصل کرنا ممکن نہ تھا۔ اسلامی احکامات کو کذب وافتراء سے محفوظ رکھنے کے لئے اسلام نے لوگوں کی جو تربیت کی اس کی بنیاد پر یہ بات دعوے سے کہی جا سکتی ہے کہ صحابہ کرامؓ اور راسخ العقیدہ اہل ایمان کی طرف سے تو اس کا کوئی امکان نہ تھا کہ وہ کسی بات کو اپنی طرف سے اللہ کے رسول ﷺ کی طرف منسوب کر دیں جبکہ دیگر لوگوں کی روایت کو سخت شرائط کے ساتھ ہی قبول کیا جاتا تھا۔ اس پس منظر میں مستشرقین کا یہ الزام کہ بہت ساری احادیث عیسائی اور یہودی روایات کے زیر اثر تشکیل پذیر ہوئی ہیں، اپنے اندر کوئی وزن نہیں رکھتا۔ ہم یہ وضاحت کرنا ضروری خیال کرتے ہیں کہ تمام الہامی ادیان کی بنیادی تعلیمات ایک ہی ہیں، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے یہ دعویٰ کبھی نہیں کیا کہ وہ کسی نئی دعوت کا علمبردار ہے، بلکہ اسلام تو پہلے ہی اس بات کا داعی ہے کہ اس کی دعوت سابقہ انبیاء کی دعوت کا تسلسل ہے اور اسلام اس دین کا مکمل ترین ایڈیشن ہے جس کی ابتدا حضرت آدمؑ سے ہوئی تھی۔ لہٰذا اگر اسلام کی بنیادی تعلیمات کی اصالت سابقہ الہامی کتابوں میں پائی جائے تو یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے، کیونکہ اصولی طور پر اسلام اور سابقہ انبیاء کی دعوت کے بنیادی نکات ایک ہی ہیں۔ خود قرآن کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ سابقہ الہامی کتابوں کی غیر محرّف تعلیمات کی تصدیق

کرنے والا ہے اور اس کی اصل شکل کو بیان کرنے والا ہے۔(28) یہی وہ پس منظر ہے جس میں قرآن نے اہل کتاب کو خطاب کرتے ہوئے صاف طور پر کہا ہے: ''اے اہلِ کتاب! آؤ اس کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان ایک ہے وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔'' (ال عمران،۳:٦٤) دوسری اہم بات یہ ہے کہ اسلام کا مرکز ومحور نبی ﷺ کی ذات ہے اور کسی بھی شخص کا دعویٔ اسلام اس وقت تک کوئی اہمیت نہیں رکھتا جب تک اس کا دل اللہ کے رسول ﷺ کی محبت سے لبریز نہ ہو اور وہ اپنی جبین نیاز کو آپ ﷺ کے حضور خم نہ کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے رسول ﷺ کی اطاعت کے وجوب پر کثیر آیات نازل فرمائی ہیں۔(29)

دوسری طرف خود جنابِ رسول اللہ ﷺ نے جھوٹ بولنے والوں اور آپ ﷺ کی طرف جھوٹی بات کو منسوب کرنے والوں کو سخت الفاظ میں وعید سنائی ہے: ''من كذب عليّ متعمدًا فليتبوّأ مقعده من النار'' (30) ''جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا اس کا ٹھکانہ آگ ہے۔'' ''من حدّث عني بحديث يرى أنه كذب فهو أحد الكاذبين'' (31) ''جس شخص نے علم کے باوجود جھوٹی حدیث کو میری طرف منسوب کیا وہ جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔'' اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے اہل کتاب کی اتباع اور اقتدا سے بھی سختی سے منع کیا ہے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لتتبعنّ سنّة من كان قبلكم، باعًا بباع، و ذراعًا بذراع، وشبرًا بشبرٍ، حتى لو دخلوا في جحر ضب ، لدخلتم فيه ، قالوا: يارسول الله ﷺ اليهود والنصارى؟ قال: فمن،اِذًا؟'' (32) ''تم اپنے سے پہلے لوگوں کے نقش قدم کی ہو بہو پیروی کرو گے، حتیٰ کہ اگر وہ بجّو کے بل میں گھسے ہوں گے تو تم بھی اس میں گھسو گے۔ لوگوں نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کی مراد یہود ونصاریٰ ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تو اور کس سے ہے۔'' یہی وجہ ہے کہ مسلمان ہمیشہ ایسے اعمال سے بچتے رہے جن سے یہود ونصاریٰ سے مشابہت پیدا ہوتی ہے۔ صحابہ کرامؓ نے ہمیشہ اس بات کی حوصلہ شکنی کی کہ لوگ قرآن کی موجودگی میں اہلِ کتاب کی روایات کو آگے بیان کریں۔ حضرت عمر فاروقؓ کو علم ہوا کہ ایک شخص کتابِ دانیال دوسروں کو نقل کرواتا ہے تو آپؓ نے اس کو بلایا اس کی پٹائی کی اور حکم دیا کہ جو کچھ اس نے لکھا ہے اس کو مٹا دے اور وعدہ کرے کہ آئندہ نہ تو وہ اس کتاب کو پڑھے گا اور نہ ہی کسی کو پڑھائے گا اور پھر حضرت عمر فاروقؓ نے یہود ونصاریٰ کی کتب کے نقل کرنے کی ممانعت کے سبب کے طور پر خود اپنا واقعہ بیان کیا کہ ایک موقع پر جب انھوں نے یہی عمل کیا تھا تو اللہ کے رسول ﷺ نے اس پر شدید غصے اور ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا تھا۔(33) اس لئے مستشرقین کے اس اعتراض میں کوئی حقیقت نہیں ہے کہ احادیث کا مأخذ بائیل اور اسرائیلی روایات ہیں۔ ہماری یہ دیانت دارانہ رائے ہے کہ علوم الحدیث کے فن سے متعارف کوئی بھی شخص مستشرقین کے مذکورہ

دعویٰ کو تسلیم نہیں کرسکتا۔ اس میں شک نہیں کہ کئی تابعین نے اسرائیلی روایات کو بیان کیا ہے تاہم ان کی نقل کردہ روایات محض کسی حکم کی تائید یا توضیح کے لئے ہیں نہ کہ ہدایت اور راہنمائی کے لئے، اور اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اسرائیلی روایات اسلامی عقائد و نظریات کی بنیاد نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اہلِ کتاب کے اس طرزِ عمل کا خاص طور پر ذکر کیا ہے کہ ان لوگوں نے اللہ کی نازل کردہ کتابوں کو بازیچۂ اطفال بنا رکھا تھا اور ان کتابوں میں اپنی خواہشِ نفس سے کمی بیشی کرتے رہتے تھے۔ قرآن مجید نے اسی پس منظر میں مسلمانوں کو تنبیہ کی ہے کہ وہ اس فعل شنیع کے قریب نہ جائیں۔ پیر صاحبؒ نے ''احادیث طیبہ کو کذب و افتراء سے محفوظ رکھنے کا اہتمام'' کے زیر عنوان سیر حاصل بحث کی ہے۔ (34)

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ نے مستشرقین کے اس اعتراض کہ روایات دو اڑھائی صدیوں کے کہیں بعد جا کر مدون ہوئی ہیں، پر تنقید کرتے ہوئے اپنے استدلال کی بنیاد ایک بار پھر قرآنی آیات پر رکھی ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ قرآن تو مسلمانوں کو حکم دے رہا ہو کہ ان میں سے ہر قبیلے اور خاندان میں ایک ایسا گروہ ہونا چاہے جو قرآن کا فہم حاصل کرے (سورۂ آل عمران، ۳:۱۰۴) پیر صاحبؒ کا استدلال یہ ہے کہ اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ حدیث و سنّت کو نہ صرف خود سمجھا جائے بلکہ دوسروں بھی سکھایا جائے۔ پیر صاحبؒ نے خطبہ حجۃ الوداع اور اس کے پس منظر میں متعدد احادیث اور واقعات سے استدلال کیا ہے کہ حضورﷺ نے صحابہ کرامؓ کو متعدد مواقع پر تاکید فرمائی کہ وہ مجھ سے سنی ہوئی باتوں کو یاد رکھیں اور اس کو دوسرے لوگوں تک پہنچائیں۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نے حدیث کی حفاظت اور ترویج و اشاعت میں اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ پیر صاحبؒ کو مستشرقین کے اس نقطہ نظر سے بھی شدید اختلاف ہے کہ حفاظتِ حدیث کا صرف ایک ہی قابل اعتماد ذریعہ ہے اور وہ ہے تدوینِ حدیث۔ آپؒ فرماتے ہیں:

> ''عام مصنفین نے ''تدوینِ حدیث'' کے عنوان کے تحت ہی حفاظت حدیث کے متعلق اپنے نتائج فکر کو بیان کیا ہے۔ ہم نے ''تدوین حدیث'' کی بجائے ''حفاظتِ حدیث'' کو اپنے موضوع کا عنوان بنانا مناسب سمجھا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے حدیث طیبہ کی حفاظت کے لئے صرف تدوین حدیث کے طریقے پر ہی اکتفاء نہیں کیا بلکہ انہوں نے اس کار خیر کے لئے متعدد ایسے طریقے اپنائے ہیں جن کی مستشرقین کو ہوا بھی نہیں لگی۔ مستشرقین کے ساتھ مباحثے میں ضروری نہیں کہ ہم ہمیشہ اسی محاذ پر ان کا مقابلہ کریں جس محاذ کو وہ خود منتخب کریں۔ اگر تدوین کے بغیر دینی پیغام کی حفاظت کا کوئی طریقہ مستشرقین کے ہاں مروج نہیں تو یہ ان کا قصور ہے، ہم ان کی اس کوتاہی کی وجہ سے امت مسلمہ کی ان

خصوصیات کو کیوں نظر انداز کر دیں جو اس ملت کا طرۂ امتیاز ہیں؟''(35)

عربوں کے بے مثل حافظے کے علی الرغم ان کو اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ جو والہانہ محبت تھی اس کی بنا پر انھوں نے آپ ﷺ کے اقوال کو اپنے دل و دماغ میں پوری طرح محفوظ کر لیا، ''حدیث تقریری'' اور سنّتِ رسول ﷺ کی روایت میں مفہوم کی یکسانیت کے باوجود الفاظ کا مختلف ہو جانا عین ممکن ہے لیکن جہاں تک رسول اللہ ﷺ کے اقوال کا معاملہ ہے اگر چہ ان کی روایت میں محدثین نے صحابہ کرامؓ کے لئے روایت بالمعنیٰ کے جواز کو تسلیم کیا ہے کیونکہ وہ رسول خدا ﷺ کے براہِ راست مخاطب ہونے کی وجہ سے مرادِ رسول ﷺ پوری طرح سمجھتے تھے لیکن اس کے باوجود صحابہ کرامؓ جس لفظی صحت کے ساتھ ان اقوال کو محفوظ رکھتے تھے، پیر صاحبؒ نے اس پر کئی واقعات بطور دلیل ذکر کئے ہیں۔(36)

پیر صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مستشرقین کا یہ دعویٰ کہ تدوین کا کام کرنے والوں کا بھروسہ صرف اور صرف زبانی مصادر پر تھا، اس لئے ان کے خیال میں جو چیز صدیوں غیر مدون شکل میں رہی، اس کے متعلق یہ وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اپنی اصلی حالت میں ہے۔ گو مستشرقین کا یہ شوشہ بھی بالکل بے بنیاد ہے کہ تدوین کے بغیر کسی چیز کی حفاظت ممکن نہیں اور اس کی ایک بہت بڑی دلیل یہ ہے کہ برطانیہ جو اکثر مستشرقین کا وطن ہے، اس ملک کا آئین تحریری شکل میں موجود نہیں لیکن مدون نہ ہونے کے باوجود وہ آئین محفوظ ہے اور برطانوی لوگ اسی آئین کے مطابق اپنے ملک کو چلا رہے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کا ملک ہی اصل جمہوری ملک ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ان کا آئین ان کی قومی زندگی کا حصہ بن چکا ہے، اس لئے تحریری شکل میں موجود نہ ہونے کے باوجود زندہ ہے اور ان آئینوں کی نسبت زیادہ قوت کے ساتھ زندہ ہے جو تحریری شکل میں موجود تو ہیں لیکن متعلقہ قوموں کی زندگیوں میں ان کی روح نظر نہیں آتی۔ مسلمانوں نے جس انداز میں احادیثِ طیبہ کو اپنی زندگیوں میں نافذ کیا تھا، اگر احادیث تحریری شکل میں موجود نہ ہوتیں تو بھی احادیث کی صحت ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر رہتی لیکن یہ تصور کرنا بالکل غلط ہے کہ مسلمانوں نے پورے دو سو سال احادیث طیبہ کی تدوین کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ حق یہ ہے کہ گو مسلمانوں نے حفاظتِ حدیث کے سلسلہ میں کتابت کے علاوہ دیگر وسائل پر زیادہ بھروسہ کیا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ انہوں نے احادیث کی کتابت کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ حضرت پیر کرم شاہ الازھریؒ نے ''حفاظتِ حدیث'' کے زیر عنوان ۷۵ صفحات پر مشتمل جو معرکہ آراء بحث کی ہے وہ پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

پیر صاحبؒ نے ''احادیث لکھنے کی ممانعت کا مسئلہ'' کے زیر عنوان حضرت ابو سعید الخدریؓ (م ۷۴ھ) سے مروی صحیح روایت ''**لا تکتبوا عنی شیئاً غیر القرآن**'' کی اہلِ علم کی آراء کی روشنی میں ایسی توجیہ کی ہے جس سے مستشرقین

کا اعتراض رفع ہو جاتا ہے، اس پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) کتابتِ حدیث کی ممانعت والی روایات منسوخ ہیں، کیونکہ ان روایات کا سیاق وسباق، تاریخی پس منظر اور دیگر شواہد اس مؤقف کی تائید کرتے ہیں اور پھر صحابہ کرامؓ کی کثیر تعداد کا کتابتِ حدیث کی طرف عملی رجحان ان احادیث کے مفہوم کو متعین کرنے میں ہمارے لئے حجت ہے۔

(۲) جمع وتطبیق کے اصول کی روشنی میں بھی ان روایات کا مفہوم متعین کیا سکتا ہے یعنی نہی نزولِ قرآن کے وقت التباس کی وجہ سے کی گئی ہے، لیکن جب التباس کا خطرہ نہ رہا تو آپ ﷺ نے احادیث لکھنے کی اجازت دے دی۔

(۳) ان روایات کی ایک توجیہ یہ بھی کی جاسکتی ہے کہ آپ ﷺ نے ایک ہی صفحہ پر قرآن مجید کے ساتھ احادیث لکھنے سے منع فرمایا تھا، جیسا کہ کئی روایات سے یہ اشارہ ملتا ہے جبکہ احادیث کو الگ صفحات پر لکھنے کی اجازت تھی۔

(۴) یا ممانعت کا حکم ان لوگوں کے لئے تھا جو حدیث کے حفظ کرنے میں اور باہم مذاکرہ کرنے میں کاہلی کا شکار ہو رہے تھے اور صرف کتابتِ حدیث پر تکیہ کئے ہوئے تھے، شاید اسی پس منظر میں آپ ﷺ نے ان لوگوں کی حوصلہ افزائی بھی فرمائی جو حدیث کو یاد کرتے ہیں اور اس کو دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔ جبکہ جو لوگوں حفظ کے خوگر تھے ان کو آپ ﷺ کی طرف سے احادیث لکھنے کی اجازت تھی۔(37)

جہاں تک مستشرقین کے اس اعتراض کا تعلق ہے کہ دورِ اوّل میں صحابہ کرامؓ تذبذب شکار رہے کہ احادیث کو لکھا جائے یا نہ لکھا جائے، جس کی وجہ سے ابتدائی دور میں حدیث کی حفاظت کے لئے کوئی منظّم کوشش نہ کی جاسکی اور جب دوسری اور تیسری صدی ہجری میں احادیث کی جمع وتدوین کا کام شروع ہوا تو اس وقت تک حدیثِ رسول ﷺ کا بڑا حصّہ ضائع ہو چکا تھا۔ اہل علم نے اپنی تحقیقات کے نتیجے میں مستشرقین کے اس اعتراض کو بے وزن کر دیا ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ (م ۲۰۰۱ء) نے اپنی مرتب کردہ کتاب "الوثائق السیاسیۃ"، میں ۲۸۱ ایسے خطوط اور وثائق کا ذکر کیا ہے جن کا تعلق صرف نبی ﷺ کی ذات گرمی سے ہے۔(38) اسی طرح ڈاکٹر صاحبؒ موصوف نے ہمام بن منبّہ (م ۱۰۱ھ) جو ابو ہریرہؓ (م ۵۹ھ) کے شاگرد ہیں، کی طرف منسوب "صحیفہ ہمام بن منبّہ" ایڈٹ کر کے شائع کیا ہے جس میں ۱۳۸ احادیث درج ہیں، اس مخطوطے کی دریافت قرنِ اوّل میں کتابتِ حدیث کی بہت بڑی شہادت ہے۔ (39) علاوہ ازیں ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ نے شاہانِ عالم کے نام رسول اللہ ﷺ کے کئی خطوط بھی دریافت کئے ہیں، چونکہ ان میں سے کئی خطوط حدیث کی مستند کتابوں میں بھی منقول ہیں اس لئے نو دریافت شدہ خطوط اور کتبِ حدیث میں مطابقت کا پایا جانا بھی

کتبِ حدیث کے مستند ہونے اور قرنِ اوّل ہی میں کتابتِ حدیث پر دلالت کرتے ہیں۔ (40) اس موضوع پر ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی کا پی ایچ ڈی کا مقالہ "Studies in Early Hadith Litereture" جو "**دراسات فی الحدیث النبوی وتاریخ تدوینہ**" کے عنوان سے دو جلدوں میں عربی زبان میں شائع ہو چکا ہے، خاص طور پر قابلِ مطالعہ ہے۔ اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے نہ صرف حدیثِ نبوی کی جمع وتدوین کی تاریخ کا تفصیلی حال بیان کیا ہے بلکہ باون (۵۲) صحابہ کرامؓ اور دوسو باون (۲۵۲) تابعین عظامؒ کے صحائف کا ذکر کیا ہے، جس سے قرنِ اوّل میں حدیث کی کتابت اور حفاظت کے لئے کی جانے والی ہمہ گیر کوششوں پر روشنی پڑتی ہے۔ (41) پیر صاحبؒ نے بھی عہدِ نبوی سے لے کر صحاح ستہ کی تدوین تک کی مختصر تاریخ بیان کر کے مستشرقین کے اعتراضات کی سطحیت کو واضح کر دیا ہے۔ (42) نتیجۃ البحث کے طور پر پیر صاحبؒ فرماتے ہیں:

> ''مسلمانوں نے اپنے علمی سرمائے کو محفوظ رکھنے کے لئے جو کوششیں کی ہیں وہ کسی دوسری قوم نے اپنے علمی سرمائے کی حفاظت کے لئے نہیں کیں۔ حیرت کی بات ہے کہ جن لوگوں کو اپنے دینی اور علمی ورثے کی حفاظت کا سلیقہ نہ تھا وہ اس ملت کے علمی سرمائے پر ہاتھ صاف کرتے ہیں جس ملت نے اپنے علمی سرمائے کی حفاظت کے لئے بے نظیر کام کیا ہے۔ احادیث طیبہ کی حفاظت کے لئے مسلمانوں نے مختلف طریقے استعمال کئے۔ احادیث طیبہ کے حصول کے لئے محیر العقول کاوشیں، احادیث طیبہ کو سینوں میں محفوظ کرنا، احادیث طیبہ کے پیغام اور تعلیم کو فرد وقوم کی عملی زندگی میں جذب کرنا، احادیث سننے اور سنانے کی محفلیں منعقد کرنا، تدریسِ حدیث کے حلقے، حدیث کی کتابت، حدیث کی تدوین، فنِ اصولِ حدیث متعارف کرانا، احادیث کی سندوں کی چھان بین، احادیث کے متن پرکھنا، رواۃِ حدیث کے حالاتِ زندگی اور ان کے اخلاق وکردار کو محفوظ کرنا، احادیث کے مختلف درجے متعین کرنا، ایسی کتابوں کی تیاری جن سے صرف صحیح احادیث کا بیان ہو، ہر حدیث کی فنی حیثیت متعین کرنا، ان راویوں سے ملت کو آگاہ کرنا جو وضع حدیث کے لئے مشہور ہیں اور ایسی کتابیں مرتب کرنا جن میں تمام موضوع روایات کو جمع کر دیا جائے تاکہ لوگ ان موضوع روایات کو قولِ رسول ﷺ سمجھ کر دھوکا نہ کھا جائیں۔ یہ وہ مختلف طریقے تھے جو مسلمانوں نے حدیثِ رسول ﷺ کے بیش بہا خزانے کی حفاظت کے لئے استعمال کئے۔
> (43)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مستشرقین جس فکری کج روی کا شکار ہوئے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ حدیث سے متعلق اپنے نظریات کو ثابت کرنے کے لئے انہوں نے قرآن مجید کو بالکل ہی نظر انداز کر دیا ہے۔ حالانکہ قرآن مجید میں

حدیث کی حجیت اور اس کی حفاظت کے واضح شواہد موجود ہیں۔ پیر صاحب محترمؒ نے مستشرقین کو قرآن مجید کی طرف متوجہ کیا ہے کہ جب وہ اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن اپنی اصل شکل میں موجود ہے تو اسی قرآن کی متعدد آیات کا تقاضا ہے کہ حدیث وسنت بھی محفوظ ہو ورنہ قرآن کا فہم اور اس کے متعدد احکام پر عمل ممکن ہی نہیں۔

یہ بات بڑی قابلِ قدر ہے کہ پیر صاحبؒ نے حدیث کا دفاع کرتے ہوئے معذرت خواہانہ انداز اختیار نہیں فرمایا بلکہ مستشرقین کو متنبہ کیا ہے کہ وہ اپنے خیالاتِ فاسدہ کو مسلمانوں کے خیالات بنا کر پیش کرنے کے بجائے مسلمہ علمی طریقے کے مطابق مسلمانوں کے بنیادی مصادر کی طرف رجوع کریں کیونکہ انہیں یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اسلام کی عمارت کو اپنے نظریات پر تعمیر کرنے کی کوشش کریں۔غور کیا جائے تو مستشرقین کا بڑا مسئلہ ہی یہ ہے کہ وہ کسی بھی اسلامی مسئلہ پر مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے بحث نہیں کرتے بلکہ غلط طور پر یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں یہی مسلمانوں کا نقطۂ نظر ہے۔شاید یہ وہ بنیادی وجہ ہے جس نے مستشرقین کے مطالعات میں عجیب وغریب قسم کے نتائج پیدا کر دیئے ہیں۔

حوالہ جات

(1) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:

''حیات جاوید''(از مولانا الطاف حسین حالیؒ) 12/2-18،(ارسلان بکس علامہ اقبال روڈ، میرپور، آزاد کشمیر، مئی 2000ء)

(2) مثلاً اس حوالے سے، رچرڈ سائمن، پیئر بائیل، سائمن اوکلے، ھادریان ریلانڈ، مائیکل۔ اتیچ۔ ہارٹ، ڈاکٹر مورس بکائے، تھامس کارلائل کیرن آرم سٹرانگ، منٹگمری واٹ، جان بیگٹ، الفریڈ اسمتھ اور کئی دیگر مستشرقین کے نام بطور مثال پیش کئے جاسکتے ہیں۔

(3) مثلاً:Kenneth Cragg انجیل اور بائبل کا قرآن سے تقابلی جائزہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ: بائیبل اور انجیل کو صدیوں بعد جمع کیا گیا جبکہ قرآن محمد ﷺ کی زندگی میں ہی وجود میں آچکا تھا۔ ("The Event of The Quran-Islam in its Scripture", P:178,(George Allen & Unwin, London)، اسی طرح انیسویں صدی کے مشہور مستشرق سر ولیم میور قرآن کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: یہ ایک حقیقت ہے کہ آیات کی ترتیب صرف اور صرف محمد ﷺ کی اپنی تھی اور ہی کی ہدایت پر حفظ کی جاتی تھیں یا لکھ لی جاتی تھیں۔ چنانچہ اس طور پر عہدِ رسالت ﷺ میں قرآن سامنے آچکا تھا یہی نہیں بلکہ اس پر یقین کرنے کی کافی وجوہات ہیں کہ آپ ﷺ کی زندگی میں ہی آپ ﷺ کے صحابہ کے پاس قرآن کے بہت سے نسخے موجود تھے۔ (Sir william Muir:"The Life of Muhammad",John Grant-1894 edition,P:xix)، اسی حقیقت کا اعتراف سٹینٹن (H.U.W.Stanton) جان برٹن (John Burton) اور کئی دوسرے مستشرقین نے بھی کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

H.U.W.Stanton:"The teaching of Quran" Darf Publications Ltd,London,1919 Revised 1987,P:11

John Burton:"The collection of Quran" University of St Andrews,University Press 1977 P:4)

(4) ضیاء النبی ﷺ، 25/7، (ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۱۴۱۸ھ)

(5) ضیاء النبی ﷺ، 15-16/7

(6) ضیاء النبی ﷺ، 17/7

(7)Gibb,(1965) "Islam" "The Encyclopedia Of Loving Faith",p:171,(London,1884)

(8)"The origins of Muhammadan Jurisprudence".(Oxford press 1950),P:3

(9)Arthur Jeffery,"Islam,Muhammad And His Religion",P:12,(Indiana,1979)

(10)J.Robson,"The Isnad in Muslim Tradition"P:18 (Glasgow University,Oriential Society) 1955

(11)Ibid,P"18

(12)Gold zhiher,(1921)

"Muslim Studies"p:213,Vol:2,(George Allen & Unwin LTD,London,1971)

(13)Josefh Schacht,

"The origins of Muhammadan Jurisprudence"P:36 -37,,(Oxford at the clarendon prss 1950)

(14)Watt,Montgomery,(1979)

"Muhammad At Medina",p:318,(Oxford Press London),1956

(15) Will Durant,(1981)"The Age of Faith",211-212, (New York,1950)

(16)Philip.K.Hitti,"Islam and the west" , (New jersey, U.S.A,1962) p:105-107

(17)Alfred Guillaume,"Islam" , p:89-90 ,(London 1963)

(18)Dancan B.Macdonald, "Muslim Theology , Jurisprudence and constitution Theory ", p:76-77,(Beirut Khayats, 1965)

(19)"Muslim Studies",P:56,40-45,Vol:2

(20)"The origins of Muhammadan Jurisprudence"P:72-73

(21) ڈاکٹر فواد سیزگین، ''مقدمہ تاریخ تدوین حدیث''، (مترجم: سعید احمد) ص:18، (ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد، 1985)

(22) ضیاء النبی ﷺ، 28/7

(23) ضیاء النبی ﷺ، 54/7

(24) ضیاء النبی ﷺ، 56-40/7

(25) ضیاء النبی ﷺ، 60-61/7

(26)Abn-Hajar, "Al-Isabah"(Introduction by Springer) Biship's College Press Calcutta, 1856)

(27)Robson, "Ibn-i-Ishaq's use of Isnad" ,P.449, (Bulletin of the John Rylands library Manchster,March 2, 1956)

(28) (النساء،۴/۴۷)، (المائدۃ،۵/۴۸)

(29) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (الانفال،۱/۸)، (الانفال،۸/۲۰)، (محمد،۴۷/۳۳)، (التغابن،۶۴/۱۲)، (ال عمران،۳/۳۲)، (ال عمران،۳/۱۳۲)، (النساء،۴/۵۹) مذکورہ بالا آیات میں اطاعتِ رسول ﷺ کو لازمی حکم کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سی آیات ایسی بھی ہیں، جن میں اطاعتِ رسول ﷺ اور اس کی جزا ذکر کی گئی ہے، چند آیات ملاحظہ ہوں مثلاً: (النساء،۴/۱۳)، (الاحزاب،۳۳/)، (النساء،۴:۶۹)، (النساء،۴:۸۰)، (الاحزاب،۳۳:۳۶) (الجن،۷۲:۲۳)

(30) مسلم بن حجاج بن مسلم القشیری ؒ، الامام ابوالحسین، (204-261ھ)

مسلم، مقدمه، باب تغليظ الكذب على رسول الله ﷺ، ح: ٤ ،ص:٨ ،(دارالسلام للنشر والتوزيغ، الرياض، 1998ء)

(31) مسلم، مقدمه، باب وجوب الرواية عن الثقات وترك الكذابين،ح:١ ،ص:٧

(32) ابن ماجہؒ، محمد بن یزید، (209-273ھ)

ابن ماجة ،كتاب الفتن، باب افتراق الامم ،ح:٣٩٩٤ ،ص:٥٧٤ ،(دارالسلام للنشر والتوزيغ،الرياض، 1999ء)

(33) الخطیب البغدادیؒ، ابوبکر احمد بن علی بن ثابت، (392-463ھ)

" تقييد العلم"،(**تحقيق : يوسف العش**)،ص: ٥٠، ٥١،(دار احياء السنة النبوية،انقره،1974ء)

(34) ملاحظہ ہو: ضیاء النبی ﷺ، 56/7-71

(35) ضیاء النبی ﷺ، 75/7

(36) تفصیل کے ملاحظہ: ضیاء النبی ﷺ، 7/77-82

(37) ضیاء النبی ﷺ، 7/112-124

(38) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، (م 2001ء)

"**مجموعة الوثائق السياسية فى العهد النبوى والخلافة الراشدة**"، (قاهرة، 1941ء)

(39) ''صحیفہ ہمام بن منبّہ''، (بیکن بکس، لاہور، 2005ء)

(40) ''رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی''، (دارالاشاعت، کراچی، 1987ء)

(41) محمد مصطفیٰ الاعظمی، ڈاکٹر

"**دراسات فى الحديث النبوى وتاريخ تدوينه**"، ۹۲/۱-۳۲۵ (المكتب الاسلامى، بيروت، ۱۹۹۵ء)

(42) ضیاء النبی ﷺ، 7/124-155

(43) ضیاء النبی ﷺ، 7/77-76